ترقی پسند / مارکسی تنقید

۱۹۳۶ء اور اس کے بعد سامنے آنے والی تنقید کا تعلّق زیادہ تر رومانی، تاثراتی، مارکسی اور نفسیاتی حوالوں سے تھا۔ ان سب نقطہ ہائے فکر میں ترقی پسند انداز تنقید غالب تھا۔ ان مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے والے ناقدین نے مختلف اصنافِ ادب، افسانہ، ناول، ڈراما، شاعری اور خود تنقید کا موجودہ عہد کے نئے تقاضوں کی روشنی میں جائزہ لیا۔

اس عہد میں ادب کی مختلف اصناف کے ساتھ ساتھ تنقید میں بھی نئے نئے رجحانات سامنے آئے جس کی وجہ سے اردو تنقید کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ان رجحانات میں کلاسیکیت، رومانیت، اصلاح پسندی، مابعد الطبیعیاتی، تاریخی اور اخلاقی حوالے سے تنقیدی نقطہ ہائے نظر کے علاوہ افادی، مادی، جمال پسندی، انقلابی، اشتراکی اور نفسیاتی رجحانات خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔

اُردو زبان و ادب میں ترقی پسند تنقید، مارکسی تنقید اور سماجیاتی تنقید تین اصطلاحیں استعمال ہوتی رہی ہیں اور اکثر تینوں ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتی ہیں جب کہ ترقی پسند ادب کی رعایت سے ترقی پسند تنقید اردو کی اپنی ایجاد ہے اور اسے بین الاقوامی اصطلاح کی سند حاصل نہیں مارکسی تنقید کو بین الاقوامی سند حاصل ہے۔ اور اسی کو اردو میں ترقی پسند تنقید سے موسوم کیا گیا ہے۔ (۱)

ترقی پسند تنقید کے حوالے سے بات کرتے ہوئے پروفیسر آل احمد سرور اردو تنقید کے بنیادی افکار کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''ترقی پسند تحریک نے جو سرسید کے بعد اردو ادب میں دوسری بڑی تحریک ہے تنقید کو تخلیق

Scanned by CamScanner

کے طفیلی درجے سے بلند کر کے اسے ادب کی رہبری کا دعوے دار بنایا۔ پرانی تنقید صرف فن کی تشریح پر زور دیتی تھی۔ رومانی و تاثراتی لہر نے فن کار کو بھی اہمیت دی تھی مگر ترقی پسند تنقید نے پڑھنے والوں کو بھی اہمیت دی۔ تنقید کو ایک سائنسی طریقہ کار عطا کرنے کی کوشش کی اور جدید علوم کی معلومات کی مدد سے ادب کے مطالعے میں گہرائی اور تازگی پیدا کی۔''(۲)

ترقی پسند تحریک وہ تحریک تھی جن نے ادب برائے زندگی کا نظریہ پیش کیا۔ اس تحریک کا مقصد غیر طبقاتی معاشرے کا قیام اور ملک میں معاشی اور سماجی انصاف کے حامل معاشرے کا قیام تھا۔ برصغیر میں ترقی پسند تحریک کے علمبرداروں میں سجاد ظہیر کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ اس تحریک نے اردو تنقید و ادب پر گہرے اور انمٹ نقوش مرتب کیے۔ ترقی پسند ادبی تحریک کا پہلا اجلاس ۵/اپریل ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں منعقد ہوا جس میں اس تحریک کا منشور پیش کیا گیا۔ اس حوالے سے فردوس انور قاضی صاحبہ لکھتی ہیں:

''ہندوستانی ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا بھرپور اظہار کریں اور ادب میں سائنسی عقلیت پسندی کو فروغ دیتے ہوئے ترقی پسند تحریکوں کی حمایت کریں اور ان کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کے انداز تنقید کو رواج دیں جس سے خاندان، مذہب، جنس، جنگ اور سماج کے بارے میں رجعت پسندی اور ماضی پرستی کے خیالات کی روک تھام کی جا سکے۔ وہ ایسے ادبی رجحانات کو نشو و نما پانے سے روکیں جو فرقہ پرستی، نسلی تعصّب اور انسانی استحصال کی حمایت کرتے ہیں۔''(۳)

ترقی پسند تحریک سے پہلے اردو تنقید کا دامن زیادہ وسیع نہ تھا بلکہ یہ صرف حالی کے مقدمہ شعر و شاعری تک محدود تھی۔ سجاد ظہیر نے ترقی پسند اصول تنقید کے مطابق فرسودہ اقدار و میلانات کی جگہ صحت مند رجحانات اور روایات کے فروغ کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی کتاب روشنائی سے درج ذیل اقتباس ان کے تنقیدی شعور کی عکاسی کرتا ہے:

''ہماری ترقی پسندی اس کی متقاضی ہے کہ ہم کھوٹے اور کھرے کی پرکھ کریں۔ ایسے فلسفے اور حیات کے نظریے جو انسانوں کی لاچاری اور بے بسی کی بنا پر، یا ظلم کرنے والے چھوٹے گروہوں کی خود غرضی اور عیش پرستی کے جذبے کا اظہار کر کے زندگی کی تذلیل کرتے ہیں،

Scanned by CamScanner

جو زندگی کو لطیف اور منزہ کرنے کے بجائے اسے حقارت اور سفلگی کی طرف لے جاتے ہیں جو دل میں نرمی اور رحمت نہیں، بلکہ نوع انسانی کے لیے سختی اور درشتی کا زہریلا اور کڑوا بیج بوتے ہیں ایسے تصوّرات یا فن کے مظاہرے ترقی پسند کو مسترد کرنا ہوں گے۔ ہمیں اپنے مخالفوں سے ڈر کر یہ نہیں کرنا چاہیے کہ ہم ادبِ عالیہ یا اپنے پرانے تمدن کے تمام تصوّرات، اس کے اسلوبوں اور رجحانات کا عقلِ سلیم اور ذوق صحیح کی روشنی میں تجزیہ نہ کریں۔''(۴)

سجاد ظہیر ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں سے تھے۔ ان کی مشہور و معروف تصنیف ''روشنائی'' بنیادی طور پر ترقی پسند تحریک کی تاریخ ہے۔ سجاد ظہیر برصغیر میں مارکسی تنقید کے ابتدائی کنندگان میں سے ہیں وہ ترقی پسند ہونے کے باوجود ایک تنقید میں ذاتی پسند اور ناپسند کے اور مخالف تھے۔ ان کی کتاب ''روشنائی'' میں ان کی تنقیدی بصیرت کا سراغ ملتا ہے۔ سجاد ظہیر نے ترقی پسند تنقید کو انتہا پسندی سے بچایا اور تنقید کو معاشرتی و تہذیبی ترقی کے لیے استعمال کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''کوئی پرانا خیال یا نظریۂ حیات، قدیم فنون لطیفہ کا کوئی ایسا تہذیبی مظہر جو ہماری قوم یا نوعِ انسانی سے علم یا سائنس کی روشنی کو چھپاتا ہے، جس کی وجہ سے ہماری قوم کی ایک بہتر معاشرتی اور تہذیبی تنظیم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔''(۵)

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کے مضامین ادب اور زندگی کے حوالے سے ۱۹۳۳ء میں سامنے آچکا تھا۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری ایک ترقی پسند نقاد تھے۔

ترقی پسند تحریک، سرسید تحریک کے بعد ایک توانا ادبی و تنقیدی شعور کے ساتھ معرضِ وجود میں آئی۔ جدید اردو تنقید کا بیشتر حصہ اسی تحریک کے مرہونِ منت ہے اس تحریک نے ادب میں تجربات اور رویوں کو ایک نیا دھارا عطا کیا۔(۶) ترقی پسند تحریک نے زبان و بیان اور اظہار و اسلوب کے پرانے انداز ختم کر کے نئے انداز تنقید کو جگہ دی۔

سید احمد علی ترقی پسند سوچ رکھنے والے ایک نوجوان لکھاری تھے۔ جن کے افسانے ''انگارے'' میں سجاد ظہیر اور دوسرے ترقی پسندوں کے ساتھ شائع ہوئے تھے۔

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب پر مثبت اور دیرپا اثرات مرتب کیے۔ سید احمد علی اپنے مضمون

Scanned by CamScanner

میں ترقی پسند تحریک کے منشور پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ تحریک عوام کی جدو جہد اور دکھ سکھ کی ترجمانی کرے گی اور ملک کا ساتھ دے گی ایک نئی زندگی کی تعمیر میں ہر ممکن مدد بہم پہنچائے گی۔''(۷)

سید سلیمان ندوی اپنے مضمون ''آج کے ادبی تقاضے'' میں اعلیٰ ادب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر قوم کا اعلیٰ ادب وہی ہے جس نے اس کو زندگی بخشی ہے اور اب بھی وہی ہوگا جو اس کو زندگی بخشے گا۔ سندھی کی کافی پنجابی کی گرنتھ صاحب، ہندی میں گیتا اور کبیر کا کلام، بنگالی میں ٹیگور اور اردو میں اقبال ادب کے وہ نمونے ہیں جنھوں نے نئے خیالات بخشے اور نئی زندگی پیدا کی۔''(۸)

قیامِ پاکستان کے بعد اردو ادب وتنقید میں کئی تغیّرات دیکھنے میں آئے۔ انجمن ترقی پسند مصنّفین پر پابندی لگادی گئی۔ لیکن پابندیوں کے باوجود خیال وفکر اور ادب وتنقید میں رائج رویوں کو تبدیل کرنا ناممکن تھا۔

فیض کا مضمون ادب کا ترقی پسند نظریہ ان کی تنقیدی کتاب ''میزان'' کا پہلا مضمون ہے جو ۱۹۳۸ء میں لکھا گیا۔

ترقی پسند ناقدین میں ممتاز حسین، ڈاکٹر آل احمد سرور، ڈاکٹر عبادت بریلوی، مجنوں گورکھپوری، نظیر صدیقی، محمد احمد سبزواری، ڈاکٹر حنیف فوق، سید سلیمان ندوی، قاضی عبدالغفار، رشید احمد صدیقی، عبدالرحمٰن چغتائی، شاہد احمد دہلوی، سید احتشام حسین، عصمت چغتائی، ڈاکٹر تاثیر، پروفیسر صدیق کلیم، سجاد ظہیر، سردار جعفری، حمید اختر، مجتبیٰ حسین، سید ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر سلام سندیلوی انجم اعظمی، ماہر القادری، فیض احمد فیض، اختر حسین رائے پوری، احمد ندیم قاسمی، شہزاد منظر، پروفیسر سید احمد علی، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، ڈاکٹر سلیم اختر اور سحر انصاری کے نام شامل ہیں۔

اردو میں تنقید لکھنے والے کسی ایک نظریے یا سوچ کے حامل نہیں تھے بلکہ ان میں کئی فکری گروہ موجود تھے۔ رومانی، تاثراتی، جمالیاتی، نفسیاتی، سائنسی، مارکسی یا اشتراکی سوچ کے حامل تنقید نگار اپنی فکری جولانیوں سے اردو تنقید کے دامن کو مختلف انداز میں وسعتوں سے ہمکنار کرتے رہے۔ اس طرح اُردو تنقید میں بیک وقت کئی تنقیدی دبستانوں کے وجود کا اظہار ہوا۔ لیکن ان میں سب سے اہم اور اثر انگیز اور ہمہ گیر ترقی پسند نظریہ تنقید رہا۔

Scanned by CamScanner

شگفتہ حسین لکھتی ہیں:

''اردو ادب میں سوائے ترقی پسند تحریک کے کوئی تحریک یا نظریہ اس قدر موثر نہیں رہا کہ اس کے تحت تخلیق ہونے والی تنقید کو کسی دبستان کا نام دیا جائے۔ اس لیے مارکسی تنقید کا دبستان اردو تنقید کا واحد دبستان ہے۔''(۹)

مارکس نے براہ راست ادب و تنقید پر کوئی کتاب نہیں لکھی جس میں اصولِ فن اور اصولِ نقد سے بحث کی گئی ہو لیکن ''کریٹیک آف پولیٹیکل اکونومی'' میں اس نے اپنے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے ادب کو سماجی شعور کا ایک حصہ اور معاشی و اقتصادی بنیادوں کو انسانی سماج اور خیالات کا ناگزیر عنصر تسلیم کیا ہے۔(۱۰)

مارکسی نقادوں نے اردو ادب کو اشتراکی نقطہ نظر سے دیکھا اور انھوں نے ادب کو سماجی ارتقا میں ایک موثر شریک کار قرار دیا۔ مارکسی نقادوں میں ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، پروفیسر مجنوں گورکھپوری، سید احتشام حسین سجاد ظہیر، سید احمد علی، ڈاکٹر عبدالعلیم، علی سردار جعفری، سید سبطِ حسن، ڈاکٹر اشرف، ممتاز حسین، فیض احمد فیض اور مجتبیٰ حسین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ فیض احمد فیض نے اردو شاعری میں مارکسی اور ترقی پسند حوالے سے زیادہ نام پیدا کیا۔ ترقی پسند اور مارکسی نظریہ ادب رکھنے والوں نے ادب کا تعلق سماج اور اپنے عہد سے جوڑا۔

''اس مارکسی تنقید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر اس نے یہ تسلیم کیا کہ فنکار اپنے طبقے اور اپنے زمانے کا عکاس ہوتا ہے۔''(۱۱)

مارکسی رجحانات کے ردِ عمل اور مغرب پرستی کے زیرِ اثر تنقید لکھنے والوں میں کلیم الدین احمد، محمد احسن فاروقی اور خلیل الرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں۔

آل احمد سرور اشتراکی نقطۂ نظر کے حامل نقاد ہیں مگر دیگر مارکسی ادیبوں کی نسبت ان کی تحریروں میں ادبیت زیادہ ہے۔(۱۲) ان کی اہم تنقیدی تصانیف میں ادب اور نظریہ، تنقید کیا ہے، تنقیدی اشارے اور نئے پرانے چراغ شامل ہیں۔ آل احمد سرور 'تنقید کیا ہے' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''تنقید وضاحت ہے تجزیہ ہے۔ تنقید قدریں متعیّن کرتی ہے۔ ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے۔ تنقید ہر دور کی ابدیت اور ابدیت کی عصریت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔''(۱۳)

سید احتشام حسین کا شمار مارکسی تنقید نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ وہ تنقید کے مغربی رجحانات

Scanned by CamScanner

سے واقفیت رکھتے تھے۔ وہ اردو تنقید کو مغرب کی دین سمجھتے تھے۔

احتشام حسین ترقی پسندی کے باوجود وہ اپنے تنقیدی مضامین میں سنجیدگی اور وقار برقرار رکھتے ہیں۔ ان کے تنقیدی اصول آفاقی نوعیت کے ہیں اور وہ ادب کی سماجی حیثیت سے بخوبی واقف ہیں۔ صرف ترقی پسند حوالے سے نہیں بلکہ ادب کے عام حوالے سے بھی وہ اردو کے نہایت ممتاز و متوازن نقاد ہیں۔(۱۴) سید احتشام حسین مارکسی تنقید کے بارے میں ہیں:

''جو نقاد اس نظریہ تنقید کو اپناتے ہیں وہ رُوحِ عصر، سماجی نفسیات، عمرانیات یعنی ان تمام باتوں پر نگاہ رکھتے ہیں جو طبقاتی سماج میں پیداوار کی معاشی بنیادوں کے اوپر فکری اور فلسفیانہ حیثیت سے وجود میں آتی ہیں۔''(۱۵)

ڈاکٹر عبادت بریلوی ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے ہیں۔ ادب میں ادبیت کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں ادب اور زندگی کے تعلّق کو بیان کرتے ہیں۔ نظریاتی حوالے سے تنقید کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا اندازِ بیاں دلکش اور سادہ ہے۔

پروفیسر ممتاز حسین ترقی پسند تنقید نگار ہیں ان کے تنقیدی نظریات مارکسی دبستان تنقید کا پرتو ہیں۔ وہ آئیڈیالوجی کو شاعری کی روح قرار دیتے ہیں اور اس شاعری کو مردہ تصور کرتے ہیں جو بے حسی اور انحطاط پذیری پر منتج ہو۔ انھوں نے اردو تنقید میں سائنسی رویے کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ممتاز حسین کے ہاں عملی اور نظری تنقید دونوں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں اور ان کی تحریروں میں تخلیقی اپج بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

مجنوں گورکھپوری کی ابتدائی تنقیدی تحریروں میں جو کہ ''تنقیدی حاشیے'' کے نام سے شائع ہوئیں، تاثراتی رنگ گہرا ہے۔ بعد میں وہ ترقی پسند تحریک میں شامل ہو گئے اور اشتراکی نقطہ نظر کے زیرِ اثر تنقید لکھنے لگے۔

''ہر تخیلی اکتساب اپنے زمانے کے مادی دنیا کا تخلیقی عکس ہوتا ہے۔''(۱۶)

فراق گورکھپوری بھی ایک ترقی پسند نقاد تھے ان کے بارے میں مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

''زندگی کے نئے میلانات نے ہماری نفسیات میں جو اہم پیچیدگیاں پیدا کی ہیں اور زندگی کی جو جدلیاتی لہریں ہمارے اندر ابھر رہی ہیں ان کو بلیغ اور سنجیدہ اشاروں میں ہم تک پہنچا دینا فراق کی ایک عام خصوصیت ہے۔''(۱۷)

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر حنیف فوق کا تعلق ترقی پسند نظریہ تنقید سے ہے۔ عملی اور نظری دونوں حوالے سے تنقید میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ اردو ادب کی اصناف اور تحاریک پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

محمد علی صدیقی کا شمار ترقی پسند تنقید نگاروں میں ہوتا ہے۔ محمد علی صدیقی تنقید و ادب کے نئے رویوں اور تحریکوں سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ جہات، اشاریے، توازن اور نشانات کے عنوان سے ان کے کئی تنقیدی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تنقید نظریاتی اور وسعت پذیر ہے۔

ڈاکٹر آغا سہیل اور مجتبیٰ حسین بھی ترقی پسند ناقدین میں شمار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر آغا سہیل فن پارے کے گہرے مطالعے پر اصرار کرتے ہیں۔ جبکہ مجتبیٰ حسین عمرانی تنقید سے کام لیتے ہیں۔ اور کھری بات کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

انجم اعظمی کا تعلق ترقی پسند سوچ رکھنے والے ناقدین سے ہے۔ انھوں اردو ادب و تنقید میں بیش قدر اضافے کیے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر فکری حوالے سے ترقی پسندانہ انداز تنقید کے حامل ہیں۔ ان کی تحریروں سے جدت اور نیا رنگ جھلکتا ہے۔ وہ تنقید کے منصب پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تنقید کو تخلیقات کے تجزیاتی مطالعے سے عصر اور عصری شعور کے لیے سمت نمائی کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ تنقید اس تہذیبی عمل کا نام ہے جو تخلیقی اصناف ادب کی مخصوص ثقافت سے مشروط ہوتا ہے۔''(۱۸)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا ترقی پسند نظریہ بڑا مضبوط اور وسیع ہے وہ ترقی پسند سوچ کو ہر جگہ رائج دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ روشن فکری کو فروغ دینے کی بات کرتے ہیں۔

شہزاد منظر نے اپنے مضمون ترقی پسند تحریک اور جدیدیت میں مختلف شعری تحریکات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے جدید شاعری کو بنیاد بناتے ہوئے ترقی پسند اور جدید ادیبوں کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ترقی پسندوں اور جدید ادیبوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ترقی پسند ادیب تاریک پہلوؤں کے ساتھ ساتھ روشن پہلو بھی دیکھتے ہیں جبکہ جدید ادیب ہر مسئلہ کے صرف تاریک اور منفی پہلو کو مدنظر رکھتے ہیں۔''(۱۹)

سردار جعفری کا انداز تنقید ترقی پسندانہ تھا۔ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے اور اسی

Scanned by CamScanner

نقطۂ نظر کے تحت ادب وتنقید کے ضمن میں خدمات انجام دیں۔ پیغمبرانِ سخن جیسی کتاب لکھی۔

مارکسی تنقید میں ایک طرف تاریخ کے جدلیاتی نظریے کا ادب پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کلاسیکی ادب کی علمی اور روایتی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاتا دوسری طرف مارکسی تنقید میں جمالیاتی قدروں، استعاروں تلازموں اور دیگر محاسن اسلوب کا جماعتی انقلابوں سے حرکی رشتہ تلاش کیا جاتا ہے اور انھیں بدلتے ہوئے خارجی حالات کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (۲۰)

مارکس مادہ کی اولیت کا قائل تھا اور اس کا فلسفہ مادیت کہلاتا ہے۔ حرکت مادہ کی فطرت ہے اور تغیّر انقلاب اور ترقی اس کی دائمی غایت ہے۔ مادہ حرکت کرتا ہے اور یہ حرکت جدلیاتی ہوتی ہے یعنی ایک صورت خود اپنی تردید کرتی ہے اور اس تردید سے پھر نئی صورت پیدا ہوتی ہے جو پہلی صورت سے بہتر ہوتی ہے۔ (۲۱)

مارکسیت کے مطالعے اور تنقید کا مطلب عوام، سماج اور دنیا لیا گیا۔ ادب کا مطالعہ جدلیاتی، مادیت اور تاریخی مادیت کی روشنی میں کرنے پر زور دیا گیا۔

''ماؤزے تنگ نے کہا تھا: ہمارا ادب اور فن عوام کے لیے ہے۔۔۔ ادب وفن کا بنیادی نقطۂ آغاز محبّت ہے، نوع انسان سے محبّت۔۔۔ ہم عوام کی ستائش کیوں نہ کریں جو انسانی تاریخ کے خالق ہیں۔'' (۲۲)

مارکس نے نظریہ مادیت جدلیاتی حوالے سے پیش کیا۔

مارکس نے اپنی فکر کی اساس مادیت کو بنایا لیکن اس کی مادیت مابعد الطبیعاتی نہیں ہے بلکہ جدلیاتی ہے۔ مادیت کی رو سے مادہ ازلی وابدی ہے اور اسے اپنے وجود کے لیے کسی ذہن کی ضرورت نہیں۔ ذہن نے مادے کو پیدا نہیں کیا بلکہ ذہن خود مادے کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ (۲۳)

تنقید میں فن پارے کو اس کے سیاسی سماجی اور معاشی تناظر میں دیکھنے یا اس کے خالق کے ذہنی اور نفسانی محرکات کو اجاگر کرنے کی جو کوشش ہوتی ہے اس کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہے لوئیس آرنڈ ریڈ نے اس قسم کی تنقید کو پس منظری تنقید کا نام دیا ہے۔

اس کے تحت اگر پس منظر معاشی اور طبقاتی ہو اور اس کی روشنی میں فن پارے کا جائزہ لیا جائے تو تنقید مارکسی کہلائے گی۔ (۲۴)

مارکسی تنقید ادب کو سماج کے حوالے سے دیکھتی ہے۔ ادب پارے پر تنقید کرتے ہوئے

Scanned by CamScanner

اس کی سماجی افادیت کی بات کرتی ہے۔ اور اس حوالے سے طبقاتی کشمکش کو بھی مدنظر رکھتی ہے۔

''مارکسی تنقید دراصل فن اور زندگی کے باہمی رشتوں کی نگران ہے اور ایک طرف ادب اور زندگی کے ربط باہمی کو نظر میں رکھتی ہے ادب زندگی پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں زندگی سے اثر لیتا ہے زندگی کو تبدیل کرنے کے عمل میں بہتر طور پر شریک ہونے کے لیے خود کو تبدیل کرتا ہے۔''(۲۵)

ترقی پسند تحریک کا منشور واقعی ترقی اور سماجی مفاد کی جانب بڑھنے والا قدم تھا یہ اور بات ہے کہ اس تحریک سے منسلک کچھ ادیب اور نقاد اپنی ڈگر سے بھٹک کر صرف نعرے بازی میں مشغول ہو گئے۔ ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش لکھتے ہیں:

''بہر کیف مارکس کی مادیت کے فلسفے کو ایک مثالی نظام میں متشکل کرنے کے لیے ادب ایک سماجی ذریعہ قرار پایا۔ اور قلمکار کی حیثیت پرولتاری سماج میں ایک قلم بردار کارکن یا پارٹی کے منشور کے مطابق قلم چلانے والے مزدور کی سی ہو کر رہ گئی، جس کا کام فقط پرولتاری نظام اور نظریے کا دفاع اور اس کی نمائندگی کرنا تھا۔''(۲۶)

مارکسی تنقید نے جہاں ادب اور فن کو نئے زاویوں سے روشناس کرایا وہاں تنقید کے کینوس کو بھی وسعت دی۔ یہ تحریک اتنی ہمہ گیر تھی کہ بہت سے ادیب اور نقاد اس کے ساتھ منسلک ہو گئے، یہ بات بھی درست ہے کہ جہاں مارکسی ادب نے ادب میں نئی سوچ کو بیدار کیا وہاں کئی ادیب اور نقاد اس کے منشور پر پورا بھی نہ اتر سکے۔

آج کل ترقی پسند تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر قاضی عابد، ڈاکٹر اے بی اشرف، حمیرا اشفاق، حمادرسول، ڈاکٹر عقیلہ بشیر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ عاشور کاظمی، قمر رئیس، ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر، دہلی، نیا سفر پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۵۷۰

۲۔ آل احمد سرور، پروفیسر (مرتب)، تنقید کے بنیادی مسائل، علی گڑھ، شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۱۹۶۷ء، ص ۲۴

۳۔ فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء، ص ۲۴۴، ۲۴۵

۴۔ سجاد ظہیر، روشنائی، کراچی، دانیال، ص ۱۴۸،

۵۔ ایضاً

۶۔ شارب ردولوی، ڈاکٹر، ترقی پسند تحریک اور اردو تنقید مشمولہ ترقی پسند ادب مرتبہ قمر رئیس، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۴ء، ص ۵۶۲

۷۔ افکار بھوپال، دسمبر ۱۹۴۸ء، ص ۴۸

۸۔ افکار کراچی، اپریل مئی ۱۹۹۵ء، مضامین نمبر، ص ۲۸

۹۔ شگفتہ حسین، ماہنامہ ادبِ لطیف کی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۷۷، ۷۸

۱۰۔ مخمور حیدری، ڈاکٹر، اردو میں ترقی پسند تنقید، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۹

۱۱۔ شارب ردولوی، ڈاکٹر، جدید اردو تنقید کے اصول و نظریات، ص ۳۳۸، کتاب پبلشرز لکھنؤ، ۱۹۶۸ء

۱۲۔ حسن اختر ملک، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ص ۱۱۲۰

۱۳۔ آل احمد سرور، تنقید کیا ہے، ماہنامہ سخنور کراچی اپریل مئی ۲۰۰۲ء، ص ۱۰

۱۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ترقی پسند تحریک اور پروفیسر احتشام حسین، ماہنامہ نقوش سالنامہ شمارہ ۱۴۱، ص ۱۲۵

۱۵۔ احتشام حسین، سید، تنقید اور عملی تنقید، دہلی، آزاد کتاب گھر، ۱۹۵۳ء، ص ۲۹

۱۶۔ مجنوں گورکھپوری، ادب اور زندگی، علی گڑھ، اردو گھر، ۱۹۸۴ء، ص ۱۵۶

Scanned by CamScanner